مقالاتِ شبلی - ایک مطالعہ

محمد الیاس الاعظمی*

اردو میں مقالہ نگاری سرسید مرحوم کا کارنامہ ہے، علامہ شبلی نے اسے مزید ترقی دی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خالص تاریخی مقالہ نگاری کے آغاز کا سہرا انھیں کے سر ہے، انھوں نے سیکڑوں علمی، ادبی، تاریخی، تعلیمی، تنقیدی اور فلسفیانہ مضامین ومقالات لکھ کر سرمایہ اردو میں گراں قدر اضافہ کیا، ان کے تاریخی مقالات نے علم وتحقیق کے میدان میں ایک ہلچل پیدا کردی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے بعض تاریخی مقالات مثلاً مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، کتب خانہ اسکندریہ، حقوق الذمیین اورالجزیہ وغیرہ کو جوشہرت ومقبولیت ملی وہ اس دور کی بہت سی کتابوں کو بھی نصیب نہ ہوسکی۔

علامہ شبلی کی زندگی میں ان کے مضامین کا ایک مجموعہ رسائل شبلی ۱۸۹۸ء میں ان کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا تھا جس کی دوبارہ اشاعت ممکن نہ ہوسکی، چنانچہ ان کی وفات کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کے تمام مضامین کو آٹھ جلدوں میں مرتب کرکے شائع کیا، اس کی تفصیل یہ ہے:

۱-جلداول	(مذہبی)	۲-جلددوم	(ادبی)
۳-جلدسوم	(تعلیمی)	۴-جلدچہارم	(تنقیدی)
۵-جلدپنجم	(سوانحی)	۶-جلدششم	(تاریخی)
۷-جلدہفتم	(فلسفیانہ)	۸-جلدہشتم	(قومی واخباری)

ان مجموعوں کی حیثیت کسی تصنیف سے کم نہیں اس لیے زیرنظر مقالہ میں پہلے چھ مقالات کا علاحدہ علاحدہ تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

مقالاتِ شبلی جلداول (مذہبی):

یہ علامہ شبلی کے مذہبی مضامین کا مجموعہ ہے، اس میں مندرجہ ذیل مضامین شامل ہیں:

---

* رفیق اعزازی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ۔ انڈیا۔

(۱) تاریخ ترتیب قرآن (۲) علوم القرآن (۳) اعجاز قرآن (۴) قرآن مجید میں خدا نے قسمیں کیوں کھائیں (۵) قضا وقدر اور قرآن مجید (۶) یورپ اور قرآن کے عدیم الصحۃ ہونے کا دعویٰ (۷) مسائل فقہ پر زمانہ کی ضرورتوں کا اثر (۸) وقف علی الاولاد (۹) پردہ اور اسلام (۱۰) الاسلام (۱۱) مسلمانوں کو غیر مذہب کا محکوم ہوکر کیوں کر رہنا چاہئے (۱۲) غیر قوموں کی مشابہت (۱۳) خلافت (۱۴) حقوق الذمیین (۱۵) الجزیہ (۱۶) اختلاف اور جیسا کہ عنوانات سے ظاہر ہے ابتدائی چھ مضامین کا تعلق قرآن مجید سے ہے، پہلے مضمون میں جمع وتدوین قرآن کی تاریخ ہے، تدوین قرآن کے بارے میں مخالفین اسلام بالخصوص شیعوں کی طرف سے جو تنقید کی جاتی ہے ان کی بہ دلائل تردید کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ یہ اعتراضات لغو اور بے بنیاد ہیں اور بلاشبہ قرآن پاک ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے۔

اس موضوع پر بے شمار تحریریں ہیں مگر مولانا شبلی کی یہاں بھی انفرادیت باقی ہے، انھوں نے جس قطعیت اور مضبوط دلائل کے ساتھ جمع وتدوین قرآن کی تاریخ قلم بند کی ہے اس سے تاریخ قرآن پر ان کی گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

دوسرے مقالہ میں علوم القرآن پر قدما کی تصنیفات اور ان کی تفسیر، فقہ، ادب، تاریخ، نحو، لغت اور کلام کے متعلق کاوشوں کا سیر حاصل جائزہ لیا ہے اور دکھایا ہے کہ قدما نے کس قدر وسیع سرمایہ علوم القرآن سے متعلق یادگار چھوڑا ہے۔

تیسرے مقالہ میں قرآن پاک کے اعجاز پر روشنی ڈالی ہے، اس سلسلے میں اس عام نقطۂ نظر سے اختلاف کیا ہے کہ فصاحت وبلاغتِ قرآن معجزہ ہے بلکہ انھوں نے قرآن پاک کا اعجاز اس کی ہدایت وحکمت اور تزکیہ نفس کو قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''قرآن مجید اگر فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے معجزہ قرار دیا جائے تو ایسا معجزہ ہوگا جو نبوت کا خاصہ نہیں، کیونکہ انشا پردازی لازمۂ نبوت نہیں لیکن اگر قرآن مجید کو تزکیہ نفس اور موعظت وحکمت کے لحاظ سے معجزہ کہا جائے تو یہ معجزہ بھی ہوگا اور خاصہ نبوت بھی، **هذا هو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال**۔ (۱)

چوتھے مقالہ میں قسم کی تعریف اس کا مقصد ومدعا اور پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قسمیں کیوں کھائیں اس کے اسباب بیان کئے ہیں، یہ مقالہ دراصل مولانا فراہی کے رسالہ امعان فی اقسام القرآن کا خلاصہ

ہے۔

پانچویں مقالہ میں قضا وقدر کا مفہوم اور اس سلسلے میں قرآن مجید کا موقف بیان کیا ہے اور اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ اس عقدہ لاینحل کا پورا مطلب واضح ہوکر سامنے آجاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''تمام تقریر کا حاصل یہ ہے کہ عالم سلسلہ اسباب پر قائم ہے، سبب کے ساتھ مسبب کا وجود ضروری ہے سلسلہ اسباب خدا نے پیدا کیا ہے، انسان کا ارادہ اور خواہش بھی منجملہ اسباب کے ہے اس بناپر انسان اپنے افعال کا سبب اور خالق ہے لیکن علۃ العلل ہونے کے لحاظ سے ان افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے، انسانی افعال کے جولازمی نتائج ہیں یعنی عذاب وثواب وہ خود بخود اس سلسلہ اسباب کے بناپر وجود میں آتے ہیں، انسان کی فطرت میں خدا نے برائی کا مادہ بھی رکھا ہے اور ایسا کرنا حکمت کا اقتضا تھا، ان اصول کے سمجھنے کے بعد تمام اعتراضات رفع ہوجاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے کہ قرآن مجید میں اس بحث کو ہر پہلو کے لحاظ سے فیصل کردیا ہے۔''(۲)

اس سلسلے کے آخری مضمون میں قرآن پاک کے عدیم الصحۃ ہونے کے یورپ کے الزام کی تردید ہے، تمام اعتراضات کا مدلل جواب دینے کے بعد ان کو طعنہ دیتے ہوئے علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید ہزاروں دلائل سے بھی انجیل نہیں بن سکتا۔(۳)

ان قرآنی مقالات کو پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تحقیق اور ترجمانی کا بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔(۴)

ایک مقالہ میں اس عام خیال کی علامہ شبلی نے تردید کی ہے کہ فقہ ایک دست شل ہے، فقہاء نے زمانے کی ضرورتوں کے زیر اثر اجتہاد سے جوکام لیا ان کی تفصیلات قلم بند کرکے ثابت کیا ہے کہ فقہ اسلامی میں ترقی اور اقتضائے ضروریات کی موافقت کی پوری پوری قابلیت اور صلاحیت ہے۔(۵)

وقف علی الاولاد پر علامہ شبلی کا جو مضمون اس حصے میں شامل ہے وہ اپنے موضوع پر اردو میں سب سے عمدہ مقالہ ہے، متعدد اہل علم اور علماء نے اس پر قلم اٹھایا مگر کوئی بھی پریوی کونسل پر وقف علی الاولاد کا مفہوم ومقصد اور اس کی افادیت واضح نہ کرسکا، یہی وہ مقالہ ہے جس نے انگریز ججوں کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کردیا اور بالآخر اسے محمد علی جناح کی کوششوں سے قانون کا درجہ ملا، اس میں علامہ نے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی سے جس طرح استدلال کیا ہے اور شواہد جمع کئے ہیں وہ ان کی بلند فقہی بصیرت کے ذکر کے لئے کافی ہے۔

یہ مقالہ رسالہ کی صورت میں علاحدہ بھی شائع ہوا ہے۔

پردہ کے سلسلے میں اغیار ایک طرف خود مسلمانوں میں بڑا نزاع رہا ہے، مولانا شبلی نے ایک مقالے میں اسلام میں پردہ کی تاریخ اوراس کی مذہبی حیثیت اوراس کی اہمیت بڑے دل نشیں انداز میں واضح کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ پردہ بہرحال ضروری ہے، پردے پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (ف: ۲۲رستمبر ۱۹۷۹ء) نے ایک عمدہ کتاب لکھی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ علامہ کا یہ مختصر مضمون اس کتاب پر بھاری ہے۔

اسلام میں غیر مسلموں کے جو حقوق ہیں ان پر اردو میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس سلسلے کے آغاز کا سہرا بھی علامہ شبلی ہی کے سر ہے، انھوں نے اپنے مضمون حقوق الذمیین میں بہت تفصیل سے اس پر بحث کی ہے۔

یورپ کے مورخین کے الزامات کی فہرست میں یہ فرد جرم بھی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ ہرطرح کے ظلم وزیادتی کو روا رکھا اوراس کا سبب یہ بتایا کہ چونکہ اسلام میں غیر مسلموں کے لئے کوئی اصول وضابطہ اور قانون نہیں ہے، اس لئے یہ مظالم روا رکھے گئے، علامہ شبلی کے عہد میں ان اعتراضات کی لے تیز ہوگئی تھی اور بار بار اس کا اعادہ کیا جارہا تھا، اسی زمانہ میں لندن ٹائمز (۲رجنوری ۱۸۹۵ء) میں پادری ملکم مارل نے ایک مضمون لکھا جس میں بڑے طمطراق سے ثابت کیا کہ اسلام میں عیسائیوں کے لئے نہایت ظالمانہ قوانین ہیں اور مسلمان حکمراں ہمیشہ اسی پر عمل کرتے ہیں، دلی کی عیسائی مشینری نے اس مضمون کا ترجمہ چھاپ کر شائع کیا اوراس کے دیباچے میں لکھا کہ یہ مضمون اس قدر مدلل ہے کہ ٹائمز کا مسلمان مضمون نگاراس کا جواب نہ دے سکا۔ (۶) علامہ شبلی کا خیال تھا کہ ذمیوں کے حقوق کا مسئلہ ایسا مہتم بالشان اور وسیع ہے کہ اگر اس کا قطعی فیصلہ کردیا جائے تو یورپ کی غلط فہمیوں کا سارا طلسم ٹوٹ جائے گا (۷)۔ چنانچہ انھوں نے اس طلسم کو توڑنے کے لئے یہ مضمون لکھا اور ان اعتراضات کی پرزور تردید کی اور نہایت مدلل انداز میں ثابت کیا کہ جزیہ کے ذریعہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بے شمار حقوق واختیارات عطا کئے تھے مثلاً اگر کوئی دشمن ان پر حملہ کرے گا تو ان کی مدافعت کی جائے گی اوران کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا، ان کی جان ومال، زمین اور عزت وآبرو محفوظ رہے گی ان کے قافلے اور کاروان تجارت بھی محفوظ رہیں گے، ان کی تمام چیزیں انھیں کے قبضے میں رہیں گی، پادری، راہب اور گرجوں کے پجاری اپنے عہدوں پر باقی رہیں گے اور انھیں برطرف نہیں کیا جائے گا، صلیبوں اور مورتوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، ان سے عشر لیا جائے گا نہ ان کے ملکوں میں فوج بھیجی جائے گی، ان کا مذہب

اورعقیدہ بھی نہ بدلوایا جائے گا، یہ حقوق ان لوگوں کو بھی حاصل ہوں گے جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔

علامہ شبلی نے اس مقالہ میں دکھایا ہے کہ مذکورہ بالا حقوق ذمیوں کو کم وبیش ہر دور میں حاصل رہے، خلفائے راشدین سے لے کر شاہ جہاں تک کے مسلمان حکمرانوں کے عہد میں ذمیوں کو جو حقوق ملے ان کی تفصیل بھی علامہ شبلی نے پیش کی ہے، اور متعدد تاریخی واقعات سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں نے ذمیوں کا اپنے دور حکومت میں پورا پورا خیال رکھا، انھیں بڑے بڑے مناصب عطا کئے اور انھیں مذہب وعقیدہ کی بنیاد پر کبھی شرم سار نہیں ہونا پڑا۔(۸)

ایک دوسرے مضمون میں غیر مسلم حکومتوں میں مسلمانوں کے انداز محکومی اور طرز زندگی کی وضاحت کی ہے، یہ مقالہ بھی ایک اعتراض ہی کے جواب میں لکھا گیا ہے، غیر قوموں کی مشابہت خلافت، اختلاف اور مساحث جیسے اہم مضامین بھی اس حصہ کی زینت ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں جس میں بعض جزئی اختلافات کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

اس حصہ کا ایک گراں قدر مقالہ الجزیہ ہے، مغربی مورخین نے اسلام، بانی اسلام اسلامی تہذیب وتمدن، شریعت اور تاریخ اسلام پر جو الزامات عائد کئے ہیں ان میں سب سے اہم الزام جزیہ سے متعلق ہے، جزیہ ایک خراج ہے جو اسلامی حکومت وسلطنت میں غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت کے عوض لیا جاتا ہے، یورپ والوں نے جزیہ کو ایک ظالمانہ اور توہین آمیز ٹکس قرار دیا اور تشہیر کی کہ جزیہ کا موجد اسلام ہے جسے مسلمان حکمراں اپنی رعایا سے جبراً وصول کرتے ہیں یہ غیر قوموں کو مسلمان بنانے کا ایک قوی حربہ ہے۔

اسلام دشمن مورخین نے جزیہ پر اس قدر توجہ اس لئے دی کہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے برگشتہ کیا جائے، علامہ شبلی نے اس بے سروپا الزام کے رد وابطال میں یہ قیمتی مقالہ ۱۸۸۹ء میں سپرد قلم کیا، اور تین باتوں کا جائزہ اس طرح لیا کہ اس کے ضمن میں سارے الزامات کی تردید ہوجاتی ہے۔

۱- جزیہ اصل میں کس زبان کا لفظ ہے اور کن معنوں میں مستعمل ہے۔

۲- ایران اور عرب میں جزیہ کی بنیاد کب قائم ہوئی۔

۳- اسلام نے اس کو کس مقصد سے اختیار کیا۔

علامہ شبلی نے ان سوالات کا تحقیقی اور تاریخی جائزہ لے نے کے بعد ثابت کیا ہے کہ جزیہ فارسی لفظ گزیہ کا

معرب ہے، جس کے معنی خراج کے ہیں، اسلام اس کا موجد نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے نوشیرواں اس کا موجد تھا، اس نے یہ خراج اس لئے مقرر کیا تھا کہ فوجی اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر ملک اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں یہ خراج ان کی محنتوں کا معاوضہ ہوگا۔

مسلمانوں نے جب غیر مسلموں کے علاقے فتح کئے تو انھوں نے نوشیرواں کے اس خراج کو معمولی تبدیلی کے ساتھ باقی رکھا کیوں کہ اسلامی حکومت میں ہر مسلمان فوجی خدمت کے لئے مجبور کیا جاتا ہے لیکن غیر مسلم اس سے مستثنٰی ہیں چونکہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے اس لئے ان سے ان کی حفاظت کا معاوضہ جزیہ کے نام سے لیا جاتا ہے، گویا یہ ان کے تحفظ وبقا کا معاوضہ ہے۔

علامہ شبلی نے تاریخی حوالوں سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اگر کبھی غیر مسلم رعایا نے فوجی خدمت انجام دی تو ان سے جزیہ نہیں لیا گیا، یہاں تک کہ اگر کسی غیر مسلم نے کسی سال فوجی خدمت کی تو اس سال کا جزیہ معاف کر دیا گیا۔

علامہ نے جزیہ کی مقدار بھی بتائی ہے اور لکھا ہے کہ جزیہ کی رقم زیادہ سے زیادہ بیس روپئے سالانہ تھی، کسی کے پاس لاکھوں روپئے ہوں تو بھی اس سے زیادہ نہیں دینا پڑتا تھا، جزیہ کی عام شرح چھ روپئے سالانہ تھی، بیس برس سے کم اور پچاس سے زیادہ عمر والوں کا جزیہ معاف تھا، اسی طرح عورتوں، مفلوجوں، معطل العضو، نابینا اور مجنون پر کوئی خراج نہیں تھا، مفلسوں یعنی جس کے پاس ۱۰۰ درہم سے کم ہوں ان سے عموماً جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔(۹)

اس گراں قدر مضمون سے علامہ نے مورخین یورپ کے بے جا الزام کی بے سروپائی واضح کر دی یہی وجہ ہے کہ ان کا یہ مقالہ بے حد مقبول ہوا۔

ان مذہبی مضامین ومقالات کے اس تعارف سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ شبلی مذہبی علوم پر کس قدر نگاہ اور دستگاہ رکھتے تھے، علامہ شبلی کو عام طور سے مورخ اور سوانح نگار ثابت کر کے ان کے بلند عالمانہ وقار کو کم کرنے کی شعوری کوشش کی گئی حالانکہ وہ علم کے اس بلند مقام پر تھے جہاں تک ان کے معاصرین کی رسائی مشکل ہے، ان کی اور خدمات سے صرف نظر کرنے کے باوجود ان کے مذکورہ بالا مقالات کے پس منظر میں ان کے مقام ومرتبہ کی تعیین کرنی ہو تو بلاشبہ وہ ماہر قرآنیات، محدث، فقیہ اور عالم دین کے اونچے اور بلند ترین مقام پر نظر آتے ہیں جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے لکھا ہے کہ وہ مقالہ نگاری کرتے تو کبھی ابن تیمیہ، کبھی امام غزالی، کبھی امام یوسف،

کبھی ابن خلدون، کبھی ابن خلکان اور کبھی شاہ ولی اللہ نظر آتے ۔ (۱۰) ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر کو اس میں مبالغہ نظر آئے لیکن ہمیں یہ اعتراف کرنے میں کوئی جھجھک نہیں کہ شبلی اپنی ہمہ گیری اور جامعیت کی وجہ سے اپنے عہد کے سب سے ممتاز عالم وفاضل اور علوم دینیہ کے ماہر تھے۔

مقالاتِ شبلی جلد دوم (ادبی):

علامہ شبلی نے خالص ادبی وتنقیدی کتابوں کے علاوہ وقتاً فوقتاً متعدد ادبی وتنقیدی مقالات بھی سپردقلم کئے جو محمڈن اینگلواورینٹل کالج میگزین علی گڑھ، حسن حیدرآباد، معارف علی گڑھ اورالندوہ لکھنؤ وغیرہ میں شائع ہوئے، مقالات شبلی جلد دوم انہیں مقالات کا مجموعہ ہے اس میں مندرجہ ذیل مضامین شامل ہیں۔

[۱] عربی زبان [۲] فن بلاغت [۳] نظم القرآن وجمہرۃ البلاغۃ [۴] شعرالعرب [۵] عربی وفارسی شاعری کا موازنہ [۶] سرسید مرحوم اوراردو لٹریچر [۷] املا اورصحت الفاظ [۸] اردو ہندی [۹] بھاشا زبان اور مسلمان [۱۰] تحفۃ الہند (ہندی صنائع بدائع)۔

پہلے مضمون عربی زبان میں عبرانی اورسریانی زبانوں سے موازنہ ومقابلہ کرکے دکھایا ہے کہ عربی ان زبانوں سے قدیم ہے، علامہ نے ان زبانوں کے بعض قواعد وضوابط الفاظ اوراس کی حقیقت، قدامت، قدر مشترک ومختلف، ایک ایک چیز کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں جس طرح ایک قدآور ماہر لسانیات۔ حالانکہ موجودہ لسانیات کا اس وقت وجود بھی نہیں تھا۔

دوسرے مضمون میں بلاغت کی تعریف اس کی حقیقت وماہیت کے ساتھ ارسطو وغیرہ کے افکار وخیالات پر نقد وتبصرہ ہے، بلاغت پر جو کتابیں قلم بند ہوئیں ان کی قدر وقیمت سے بھی بحث کی گئی ہے، غرض بلاغت کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کرکے دلائل سے اس عام خیال کی تردید کی گئی ہے کہ بلاغت کی ایجاد کا سہرا یونانیوں کے سر ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کا ایجاد کردہ ہے۔(۱۱)

تیسرا مقالہ مولانا حمیدالدین فراہی کے رسالہ نظم القرآن وجمہرۃ البلاغۃ پر طویل تبصرہ ہے جس میں ان کی کتاب اوراس کے مباحث، طرز استدلال اور نظم قرآن کے سلسلے میں ان کے موقف کی تعریف وتحسین کی گئی ہے۔

چوتھا مقالا شعرالعرب ہے، جو دراصل ابن رشیق قیروانی کی کتاب العمدہ کا تعارف وتجزیہ اوراس کے اہم مباحث کا خلاصہ ہے، عرب میں شاعری کی ابتداء، عربی شاعری کا مرتبہ، اس کی خصوصیات اوراثرات وغیرہ پر علامہ

نے العمدہ کے حوالے سے بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔

دراصل علامہ شبلی شعرالعجم کے طرز پر شعرالعرب لکھنا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ شعرالعجم سے زیادہ اہم اورمقدم فرض شعرالعرب کی تدوین تھی مگر اس کے پڑھنے اور سمجھنے والے کہاں سے آتے، اس لئے شعرالعجم کو فوقیت دی، یہ مقالہ اسی سلسلہ کا آغاز ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اقتضائے حالات کے لحاظ سے مجھ کو شعرالعجم سے پہلے شعرالعرب لکھنا چاہئے تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ قومی ضروریات کی فہرست میں شعرالعجم کا نمبر سیکڑوں نمبروں کے بعد آنے کی چیز ہے لیکن کیا کیا جائے شعرالعرب لکھتا تو سمجھنے والے کہاں سے آتے ...... یہ سب کچھ سہی لیکن یہ کانٹا مرتے دم تک دل سے نہیں نکل سکتا کہ عربی شاعری اس قدر وسیع پر اثر اور قومی جذبات سے لبریز اور اس کے متعلق ہماری زبان میں ایک حرف بھی نہیں، زیادہ افسوس یہ کہ شعرالعرب کے لئے کچھ بہت زیادہ کدوکاوش کی ضرورت نہیں کسی قدیم تصنیف کو سامنے رکھ لیا جائے اور انہی عنوانوں کو پھیلا کر کچھ نئے مذاق کا رنگ چڑھا کر لکھ دیا جائے تو اچھی خاصی تالیف ہوجائے گی، اس قسم کی قدیم تصنیفوں میں سب سے پہلے اور سب سے جامع ابن رشیق قیروانی کی کتاب العمدہ ہے......اتفاق سے اب کی ڈاک میں جو مصری کتابیں آئیں ان میں کتاب العمدہ کا بھی ایک نسخہ تھا یارگم گشتہ کے ملنے سے جو خوشی ہوئی اس کا بیان نہیں ہوسکتا، شعرالعرب کی یاد پھر تازہ ہوگئی، کتاب تو جب لکھی جائے گی لکھی جائے گی لیکن سردست اس کا ریویو لکھتا ہوں جس سے شعرالعرب کی داغ بیل پڑ جائے گی۔(۱۲)

اس کے بعد عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ ہے جس میں عربی شاعری کی خصوصیات بیان کرکے اس کی فوقیت دکھلائی گئی ہے، آخر میں فارسی شاعری کی ترجیحی خصوصیات کی تفصیل ہے۔

افسوس کہ شعرالعرب کا یہ سلسلہ چند مضامین سے آگے نہ بڑھ سکا اور علمی دنیا ایک اہم کتاب سے محروم رہ گئی، بعد میں ان کے شاگرد اور شعرالہند کے مصنف مولانا عبدالسلام ندوی نے اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہا مگر وہ بھی اسے مکمل نہ کرسکے۔

ایک مضمون میں جو سرسید احمد خاں کی وفات پر لکھا گیا تھا ان کے ادبی کارناموں اور اردو زبان پر ان کے احسانات کی تفصیل قلم بند کی گئی ہے اور دکھلایا ہے کہ سرسید مرحوم کی کوششوں سے اردو ذرہ سے آفتاب بن گئی۔

املا اور صحت الفاظ کے مسائل آج بڑی اہمیت کے حامل ہیں اس پر متعدد اہل علم نے کتابیں سپرد قلم کی ہیں،

علامہ شبلی نے ایک خط کے جواب میں یہ مقالہ اس وقت لکھا تھا جب وہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین کے مدیر تھے، اس میں انھوں نے املا اور صحت الفاظ کی اہمیت واضح کی ہے۔

اردو ہندی کا تنازع بہت پرانا ہے، اس پر آج اردو میں ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے ۱۹۱۲ء میں انگریزی حکومت نے ورنیکولر کمیٹی بنائی جس نے یہ سفارش کی تھی کہ ایک ایسا نصاب مرتب کیا جائے جس میں اردو، ہندی دونوں زبانوں کو ایک الفاظ اور عبارت کے ساتھ پڑھا جائے۔

علامہ شبلی اس کمیٹی کے ممبر تھے، انھوں نے اس تجویز کی مخالفت کی اور اپنے جن خیالات کا اظہار کیا وہ اردو ہندی کے عنوان سے شائع ہوا، اس میں انھوں نے اردو ہندی کی جدا جدا ہیئت، قواعد کے اختلاف، دیسی ہندی کا مفہوم، دونوں زبانوں کو ایک الفاظ اور عبارت میں پڑھانے کے مسائل وغیرہ کی تفصیل سے وضاحت کی، یہ اس قدر مدلل اور مؤثر تھی کہ اس کا فیصلہ خود ہندی ممبروں کی تائید سے مولانا شبلی کے موقف کے مطابق ہوا، اور ۱۹۱۲ء میں اردو ہندی بننے سے بچ گئی، یہ مقالہ اب بھی اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے اہمیت رکھتا ہے اور اس کے دلائل اب بھی بڑے کام کے ہیں۔

ایک مضمون میں ہندی زبان کے سلسلے میں مسلمانوں کی خدمات اور ان کی کاوشوں کا ذکر ہے، یہ دراصل ایک ہندو ایڈیٹر کے اس اعتراض کے جواب میں لکھا گیا ہے کہ مسلمانوں نے تعصب کی وجہ سے ہندی زبان وادب پر کبھی توجہ نہ دی۔ مولانا شبلی نے اس مضمون میں ہندی زبان کے لئے مسلمانوں نے جو کاوشیں کیں اس کی متعدد تفصیلات قلم بند کی ہیں، مسلمانوں کی بے تعصبی دکھلائی ہے، آخر میں چیلنج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے ہندو دوستوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمانوں سے زیادہ بے تعصب قوم نہ صرف دنیا کی پچھلی تاریخ بلکہ موجودہ اور آئندہ زمانہ بھی قیامت تک نہ پیش کر سکے گا۔ (۱۳)

اس مجموعہ کا آخری مقالہ تحفۃ الہند ہے جس میں ہندی صنائع وبدائع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان مضامین سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ شبلی ایک ماہر لسانیات بھی تھے، متعدد دوسری زبانوں مثلاً عبرانی، سریانی اور ہندی وغیرہ کے قواعد، خصوصیات اور عہد بہ عہد کے ارتقا پر بھی ان کی گہری نظر تھی اور وہ نہ صرف عربی، فارسی اور اردو کے لسانی مسائل پر گہری نگاہ رکھتے تھے بلکہ عبرانی، سریانی اور ہندی کی لسانیات سے بھی واقف تھے۔

افسوس کہ اب تک علامہ کے اس پہلو کو ہمارے نقادوں نے لائق اعتناء نہیں سمجھا، ضرورت ہے کہ شبلی کے

لسانی شعور کا مطالعہ کیا جائے اور دکھایا جائے کہ وہ......درجہ کے ماہر لسانیات تھے۔

مقالاتِ شبلی جلد سوم (تعلیمی):

ماہر تعلیم کی حیثیت سے علامہ شبلی کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے، وہ انیسویں صدی کی دو بڑی تعلیمی تحریکوں علی گڑھ اور ندوہ سے وابستہ رہے، دونوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی تمام تر صلاحیتیں صحت کی پروا کئے بغیر قوم کے روشن مستقبل کے لئے صرف کردیں، یہی وجہ ہے کہ ان کا شمار ان دونوں تحریکوں کے صف اول کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔

وہ ۱۸۸۳ء میں علی گڑھ پہنچے تو انھیں علی گڑھ تحریک میں قومی فلاح و بہبود کے جلوے نظر آئے، چنانچہ وہ اس سے اس طرح وابستہ ہوگئے کہ ان کا شمار سرسید علیہ الرحمہ کے نامور رفقاء میں ہوا،لیکن تعلیم کے سلسلے میں ان کا مطمح نظر سرسید سے مختلف تھا ان کا خیال تھا کہ قوم کے لئے محض جدید تعلیم ہی کافی نہیں، جدید نافع کے ساتھ قدیم صالح بھی ضروری ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ہم نے بارہا کہا ہے اور اب پھر کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے لئے نہ صرف انگریزی مدرسوں کی تعلیم کافی ہے نہ قدیم عربی مدرسوں کی ، ہمارے درد کا علاج ایک معجون مرکب ہے جس کا ایک جزو مشرقی اور دوسرا مغربی ہے۔(۱۴)

یہی وجہ ہے کہ تحریک ندوہ برپا ہوئی تو اسے اپنے دلی جذبات واحساسات سے ہم آہنگ دیکھ کر وہ اس سے وابستہ ہوگئے، واقعہ یہ ہے کہ اس تحریک کو اصلاً انھیں نے بام عروج تک پہنچایا اور اس تحریک کی کامیابی ان کی زندگی کا بڑا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

تعلیم اور اپنے نظریہ تعلیم کے عام فروغ واشاعت کے لئے علامہ شبلی نے متعدد تعلیمی مضامین لکھے، زیر نظر مجموعہ میں مولانا سید سلیمان ندوی نے انھیں کو یکجا کردیا ہے۔اس کا پہلا مقالہ مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم ہے جو علامہ مرحوم کی علی گڑھ میں پہلی کاوش تھی اور کتابی صورت میں شائع ہوئی اس کا ذکر مستقل تصنیفات کے ذکر میں آچکا ہے۔دوسرے مقالہ میں ملا نظام الدین بانی درس نظامیہ کے حالات وسوانح، تحصیل علم ، اخلاق وعادات تصنیفات ، درس وتدریس، درس نظامیہ اور اس کی خصوصیات وامتیازات ، اس کی مقبولیت کے اسباب وغیرہ کی تفصیل قلم بند کی ہے اس مضمون کے لکھنے کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج تمام ہندوستان میں عربی کا جو نصاب ہے وہ نظامیہ کے نام سے مشہور ہے لیکن یہ سخت تعجب ہے کہ اکثر لوگوں کو معلوم نہیں کہ یہ نصاب کب بنا اور کس نے بنایا، حال کی ایک تصنیف میں اس کو نظام الملک وزیر دولت سلجوقیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، پرانے تعلیم یافتہ اس قدر جانتے ہیں کہ اس کے بانی ملا نظام الدین صاحب لکھنوی ہیں لیکن اس سے زیادہ ان کو بھی واقفیت نہیں۔(۱۵)

ملا نظام الدین کے درس نظامیہ کی تفصیل قلم بند کرنے کے بعد موجودہ دور میں رائج اور ملا صاحب کی طرف منسوب نصاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ موجودہ درس جو نظامیہ کے نام سے مشہور ہے دراصل نظامیہ نہیں ہے اس میں بہت سی کتابیں ایسی اضافہ ہوگئی ہیں جو ملا صاحب کے عہد میں موجود بھی نہ تھیں۔(۱۶)

مضمون کے آخر میں علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ درس نظامیہ میں بہت کچھ ترمیم واضافہ کی ضرورت ہے۔ (۱۷) اسی کے متعلق ایک اور مضمون میں ہندوستان کے کیمبرج درس نظامیہ کی پوری تاریخ قلم بند کی ہے، ملا نظام الدین کے والد ملا قطب الدین شہید کے حالات وسوانح، شہادت، لکھنؤ میں سکونت، عالم گیر کا فرمان، ملا نظام الدین کا علم وفضل اور ان کے فرزند ملا عبدالعلی بحرالعلوم وغیرہ کے فیوض وبرکات کی تفصیل کے بعد سلسلہ نظامیہ کی علمی حالت کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے اور دکھایا ہے کہ تمام ہندوستان میں علم کی جو بہار آئی ہے وہ اسی خانوادے کا فیضان ہے اور خاکسار (علامہ شبلی) کو بھی اسی سلسلہ شاگردی کا فخر حاصل ہے۔(۱۸)

اس مفصل مضمون میں نہ صرف ملا نظام الدین اور ان کے خانوادے کا بلکہ اودھ کی علمی حالت کا ایک جامع مرقع آ گیا ہے۔

ایک مضمون ندوہ کے نصاب تعلیم پر ہے، تحریک ندوہ کا غلغلہ ہی نصاب تعلیم میں اصلاح کے نام پر بلند ہوا تھا مگر عرصہ تک اس میں کامیابی نہیں ملی، اس سلسلے میں خود علامہ شبلی کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، مخالفین اصلاح نصاب نے راہ میں کانٹے بچھائے اور بڑی دشواریاں پیدا کیں، اس مقالہ میں علامہ شبلی نے اصلاً انہی کا جواب دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''بے شبہ اس نئے راستے کے اختیار کرنے میں نہایت مشکلات پیش آئیں گی لیکن اگر ندوہ میں اس قدر بھی ہمت اور حوصلہ نہیں کہ وہ ان مشکلات کا مقابلہ کرے تو اس کو سرے سے اصلاح نصاب کا نام لینا نہ چاہئے، یہ سخت

بددیانتی ہے کہ تمام دنیا میں اصلاح نصاب کا غل مچایا جائے اور ایک ذرہ اصلاح نہ کی جائے۔(۱۹)

اس کے بعد انھوں نے یہ سوال کیا ہے کہ ہمارے علمی تنزل کا سبب کیا ہے اور اس کے جواب میں انھوں نے قدیم نصاب تعلیم کا مفصل جائزہ لے کر دکھایا ہے کہ اس نصاب میں کیا کیا خامیاں ہیں اور اس کس قدر نقصان ہو رہا ہے، ضمناً مخالفین اصلاح نصاب کے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔

علامہ شبلی نے اصلاح نصاب کے سلسلے میں جو تجاویز پیش کی ہیں اگر انھیں کلیتاً تسلیم کرلیا گیا ہوتا تو یقیناً ہمارا موجودہ تعلیمی منظرنامہ زیادہ روشن اور زیادہ تابناک ہوتا۔

اس سلسلے کے دوسرے مضمون میں فن نحو کی مروجہ کتابوں کا جائزہ علامہ نے پیش کیا ہے، نحو کی حقیقت و ماہیئت اور اس کے مقاصد بیان کر کے علامہ شبلی نے نحو کی مروجہ کتابوں کی خامیاں دکھلائی ہیں۔

قدیم تعلیم کے ہم نوا قدیم تعلیم کو اور جدید تعلیم یافتہ جدید تعلیم کو ترقی کا زینہ قرار دیتے تھے، علامہ شبلی کے عہد میں یہ ایک اہم موضوع تھا علامہ شبلی دونوں کی ضرورتوں کے قائل تھے، چنانچہ ایک مضمون ''تعلیم قدیم وجدید'' میں انھوں نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے اور تفصیل سے دکھلایا ہے کہ دونوں تعلیم کے حدود کیا ہیں، مقاصد کیا ہیں اور دونوں سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس سلسلے کے بعض اعتراضات کو بھی رفع کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ یہی مضمون دراصل علامہ شبلی کے نظریہ تعلیم کا خلاصہ ہے، اسی موضوع پر ایک اور مضمون میں اظہار خیال کیا ہے۔

اس مجموعہ کے دو آخری مقالات بھی اسی موضوع پر ہیں، پہلا مضمون وہ رپورٹ ہے جو ریاست حیدرآباد کی مشرقی یونیورسٹی کے نصاب کے سلسلے میں انھوں نے تیار کی تھی، یہ رپورٹ علامہ شبلی کے نظریہ تعلیم کی مکمل عکاس بلکہ نمونہ ہے، دوسرا مضمون علی گڑھ منتھلی میں شائع ایک تحریر احیاء علوم عربیہ کا جواب ہے جس میں مضمون نگار نے علوم عربیہ کی تحقیر کی تھی، علامہ شبلی نے اس کے کئی اقتباسات نقل کر کے بڑے سخت الفاظ میں تنقید کی ہے اور مضمون نگار کی بے علمی، دروغ گوئی اور کم مایگی دکھلائی ہے، ضمناً علی گڑھ کالج پر بھی تنقید کی ہے اور آخر میں افسوس کے ساتھ لکھا ہے کہ:

''عربی کی تحقیر نے ثابت کردیا کہ قوم واقعی ذلت کے اخیر درجہ پر پہنچ گئی ہے کیوں کہ کوئی قوم اس وقت تک ذلیل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو ذلیل نہ سمجھے اور یہ درجہ اب قوم کو حاصل ہوگیا۔(۲۰)

علامہ شبلی کے ان تعلیمی مقالات اور خیالات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تعلیم پر ان کی کس قدر گہری نگاہ

تھی اوران کا نظریہ تعلیم کیا تھا، وہ اپنی قوم میں کیا کیا اصلاح چاہتے تھے اوران کی ترقی کے لئے انھوں نے کس قدر جدوجہد کی، کیا کیا عملی کوششیں کیں، کیسے کیسے مفید اور قیمتی مشورے دئے، یقیناً ان کے نظریہ پر عمل کیا گیا ہوتا تو مسلمان آج ذلت ونکبت کے جس درجہ پر ہیں نہ پہنچتے اور علمی دنیا میں بڑا مقام اور وزن ہوتا تھا، کاش مخالفین شبلی نے دوراندیشی سے کام لیا ہوتا۔

مقالاتِ شبلی جلد چہارم (تنقیدی):

یہ علامہ شبلی کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو انھوں نے نادرونایاب کتابوں کی اشاعت پر بطور تنقید وتبصرہ اورتعارف کے لکھے تھے چونکہ ان سے علامہ شبلی کی تنقیدی بصیرت کا پتہ چلتا ہے اس لئے انھیں تنقیدی مضامین کا نام دیا گیا ہے۔ اس حصہ مین مندرجہ ذیل مضامین شامل ہیں:

[۱] طبقات ابن سعد [۲] مناقب عمر بن عبدالعزیز [۳] بلاغات النساء [۴] عمر خیام کا جبر ومقابلہ [۵] تجارب الامم ابن مسکویہ [۶] لغت فرس [۷] الفصل فی الملل والنحل [۸] تفسیر کبیر امام رازی [۹] کتاب الکافی فی الکحل [۱۰] ہمایوں نامہ [۱۱] مآثر رحیمی [۱۲] تزک جہاں گیری [۱۳] النظر فی السفر الی الموتمر [۱۴] تلفیق الاخبار [۱۵] تمدن اسلام جرجی زیدان [۱۶] معرکہ مذہب وسائنس [۱۷] ہومر کے الیڈ کا ترجمہ۔

پہلے مضمون میں طبقات ابن سعد کا تعارف ہے، ۱۲ رجلدوں پر مشتمل یہ کتاب اسلامی تاریخ کا ایک اہم ماخذ ہے، اس کتاب کے مخطوطات دنیا بھر کے کتب خانوں میں منتشر تھے جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ نے تمام جلدوں کو حاصل کیا اور ایڈٹ کر کے شہنشاہ جرمن کی اعانت سے شائع کیا، یقیناً یورپ کا اسلامی دنیا پر یہ بہت بڑا احسان تھا، علامہ شبلی نے اپنے مضمون میں نہ صرف طبقات ابن کا سعد کا تعارف کرایا ہے بلکہ یورپ کی اس خدمت کا شکریہ بھی ادا کیا ہے کہ ان کی بدولت یہ کتاب شائع ہوئی۔

علامہ شبلی نے طبقات کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی تفصیل اور جامعیت قرار دیا ہے جو متاخرین کی کتابوں میں نہیں ملتی ان کا یہ بھی خیال ہے کہ چونکہ مصنف کا زمانہ عہد نبوت کے قریب ہے اس لئے ابن سعد نے واقعات کو بہ سند متصل لکھا ہے جس میں چار یا پانچ راوی سے زیادہ نظر نہیں آتے۔

دوسرے مضمون میں علامہ ابن جوزی کی کتاب سیرۃ العمرین کے ایک حصہ مناقب عمر بن عبدالعزیز پر نقد وتبصرہ ہے جس میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مفصل حالات زندگی اور مناقب کی تفصیل ہے۔

اس کتاب کو سلطان صلاح الدین کے عہد میں اسامہ بن منقد نے دو حصوں میں تقسیم کر کے مناقب عمر بن عبدالعزیز کو علاحدہ مرتب کیا، علامہ شبلی نے اپنے سفر مصر کے دوران اس کا مطالعہ کیا تھا اور پہلے حصہ سے جس میں حضرت عمر فاروقؓ کے حالات ہیں ان سے استفادہ کیا تھا ان کا خیال ہے کہ ابن منقد نے اصل کتاب میں جو کچھ تصرف کیا ہے وہ صرف روایتوں کے اسناد کا حذف کرنا اور مکرر طرق روایت میں سے ایک کا انتخاب کر لیتا تھا۔ (۲۱)

اسے بھی ۱۹۰۰ء میں یورپ کے ایک فاضل نے مرتب کر کے شائع کیا چونکہ یہ کتاب نہایت اہمعلومات پر مشتمل ہے اس لئے علامہ شبلی نے اس پر ریویو لکھا اور بہت تفصیل سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حالات ومناقب اس کتاب سے نقل کئے، علامہ شبلی نے اسے ایک عمدہ سوانح عمری قرار دیا ہے البتہ مصنف پر یہ تنقید کی ہے کہ صحیح اور ثابت شدہ واقعات کے ساتھ بعض لغو اور دوراز کار قصے بھی نقل کئے ہیں علامہ شبلی نے اس کی مثالیں بھی نقل کی ہیں۔ انھوں نے مصنف کے اس رویے پر بھی تنقید کی ہے کہ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے وہ حالات جو امور سلطنت سے متعلق تھے انھیں قلم انداز کر دیا ہے۔

تیسرے مضمون میں بلاغات النساء پر نقد وتبصرہ ہے جو تیسری صدی ہجری کی تصنیف ہے اور جس میں خواتین کی تقریریں اور خطبے جمع کئے گئے ہیں، اس میں حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت زینبؓ، اور حضرت ام کلثومؓ کے خطبات کے علاوہ ان خواتین کے خطبے ہیں جو حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے معرکوں میں شریک تھیں۔

چونکہ ان خطبات سے ان محترم خواتین کی فصاحت وبلاغت کے ساتھ جنگی اور معاشرتی زندگی میں ان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اس لئے علامہ شبلی نے اس کی تفصیل قلم بند کی ہے اور لکھا ہے کہ:

"کس کو خیال تھا کہ عورتیں بھی کسی زمانہ میں یہ پوزیشن رکھتی تھیں کہ ان کی تقریریں اور گفتگو قلم بند اور مدون کی جائیں لیکن اس وقت ہمارے سامنے جو کتاب ہے.......... وہ اسی خاص موضوع پر ہے۔ (۲۲)

تیسرے مضمون میں عمر خیام کی کتاب جبر ومقابلہ کا ذکر ہے، عمر خیام کے بارے میں عام خیال تھا کہ وہ محض رباعی گو شاعر تھا لیکن اس کتاب نے ثابت کر دیا کہ وہ ایک بڑا ریاضی داں بھی تھا۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ شبلی نے دکھایا ہے کہ خیام ایک بڑا ماہر ریاضی داں تھا، ان کا خیال ہے کہ اس موضوع پر قدماء کی کتابیں اس کی نظر سے نہیں گذریں، البتہ ہندوستان کے ریاضی دانوں کے کچھ قاعدے ضرور اس کے پیش نظر رہے تاہم وہ

محض اس فن کی ابتدائی چیزیں ہیں۔

خیام نے اس فن کی جو تاریخ قلم بند کی ہے علامہ شبلی نے اختصار سے اسے نقل کیا ہے اور خیام نے جو اضافے کئے ہیں ان کی بھی نشاندہی کی ہے۔

ایک مضمون میں علامہ شبلی نے مشہور مورخ وفلسفی ابن مسکویہ کی نایاب کتاب تجارب الامم پر تبصرہ کیا ہے اور ابن مسکویہ کے نظریات تاریخ پر بھی روشنی ڈالی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فن تاریخ کو یورپ نے جس مقام پر انیسویں صدی عیسوی میں پہنچایا مسلمانوں نے اسے پانچویں صدی ہجری سے قبل ہی معیار تک پہنچا دیا تھا مگر اسی دور میں تاریخ سے بے اعتنائی شروع ہوگئی جس کا ذکر ابن مسکویہ نے تجارب الامم میں کیا ہے، علامہ شبلی نے ابن مسکویہ کے اصول تاریخ کی تعریف کے ساتھ اس کے بعض اصولوں پر تنقید بھی کی ہے اس مضمون کے لکھنے کا سبب تجارب الامم اور ابن مسکویہ کے نظریات سے اہل علم کو متعارف کرنا معلوم ہوتا ہے۔

ایک مضمون میں لغت فرس از اسدی طوسی کا تعارف ہے، طوسی فردوسی کا ہم عصر اور اس کا بھانجا تھا، وہ فارسی لغت کا پہلا مدون ہے، لغت فرس بھی یورپ کے ایک فاضل بادل ہاورن کی کوششوں سے ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی اس کے تعارف میں علامہ شبلی نے دکھایا ہے کہ چونکہ طوسی نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ خراسان اور ماوراءالنہر وغیرہ مقامات کے لغات لکھے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان علاقوں میں اہل زبان رہتے تھے، طوسی کے لغت کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس نے قدماء کے کلام سے استدلال کیا ہے جس سے بہت سے ایسے شعراء جن کا کلام ناپید ہے، اس میں ان کا کلام محفوظ ہوگیا ہے، علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ اس لغت سے اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی میں اس وقت تک عربی الفاظ کی آمیزش بہت کم تھی۔

علامہ ابن حزم کی کتاب الملل والنحل پر بھی علامہ شبلی نے نقد وتبصرہ کیا ہے ابن حزم کے حالات بھی شبلی نے مختصراً لکھے ہیں، اس کے بعد کتاب کے مباحث پر بحث کی ہے چونکہ اس کتاب میں مختلف مذاہب کے عقائد وخیالات پر بحث ونقد ہے اس لئے علامہ ابن حزم نے تفصیل سے عقائد پر بحث کی ہے اور ان کا رد لکھا ہے، جس میں بعض اسلامی فرق کا بھی رد لکھا گیا ہے، سحر اور عورتوں کی پیغمبری وغیرہ مسائل پر بھی ابن حزم نے بحث کی ہے، ان کا خیال ہے کہ عورتیں پیغمبر ہوسکتی ہیں، علامہ شبلی نے اس سے صرف نظر کیا ہے، البتہ یہ ضرور کہا ہے کہ اس سے موجودہ دور میں خواتین کے متعلق جو بحث کی جاتی ہے اس کا رواج پہلے بھی تھا۔

ایک مضمون میں امام رازی کی تفسیر کبیر پر تبصرہ ہے، علامہ شبلی نے اسے مہتم بالشان تفسیر قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ان سے پہلے جس قدر تفسیریں وجود میں آئیں وہ کسی خاص موضوع سے تعلق رکھتی ہین مگر تفسیر کبیر احادیث آثار، بلاغت، فقہی اقسام وغیرہ تمام موضوعات پر مشتمل ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے انھوں نے ابومسلم اصفہانی، کعبی وغیرہ سے استفادہ کیا ہے لیکن وہ معتزلہ سے کبیدہ خاطر تھے اس لئے جابہ جا ان پر سخت تنقیدیں بھی کی ہیں، انھوں نے محدثین کی تفسیروں سے بہت کم استفادہ کیا ہے اور بعض نامعتبر مفسرین کے خیالات بھی اس میں آگئے ہیں۔

علامہ شبلی نے حدیث، تفسیر، تاریخ، ادب، فقہ، لغت کی کتابوں کے علاوہ ایک مضمون میں طب کی کتاب کتاب الکافی فی الکحل کا تعارف کرایا ہے، یہ کتاب انھیں حکیم اجمل خاں کے کتب خانے میں ملی تھی، یہ کتاب خاص آنکھ کے امراض سے متعلق ہے، علامہ شبلی نے اس کتاب کے حوالے سے دکھلایا ہے کہ خاص اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں جن کی تعداد اٹھارہ ہے چونکہ اس کتاب میں ان آلات کی تصویر اوران کے نام بھی دیئے گئے ہیں جو آنکھ کے علاج میں استعمال ہوتے ہیں۔ علامہ شبلی نے ان آلات کے نام اور ان کی تصویریں بھی درج کی ہیں اور دکھلایا ہے کہ مسلمان طبیب امراض چشم میں کس قدر ماہر تھے اور یہ فن کس قدر ترقی یافتہ تھا۔

ایک مضمون میں ہمایوں نامہ کا تعارف کرایا گیا ہے، ہمایوں نامہ گلبدن بیگم کی تصنیف ہے جو بابر کی بیٹی ہمایوں کی بہن اور اکبر کی پھوپھی تھیں یہ کتاب انھوں نے اکبر کی فرمائش پر لکھی تھی، یہ عہد ہمایوں کی ایک معتبر تاریخ ہے۔

ہمایوں نامہ ایک عرصہ سے نایاب تھی انگریز مصنفہ مس بیورج نے کئی سال کی تلاش وتفحص اور تحقیق وتدقیق سے اسے مرتب کر کے ۱۹۰۲ء میں شائع کیا، علامہ شبلی نے اسی نسخہ کا تعارف کرایا ہے اور مس بیورج کی محنتوں کی تعریف کی ہے۔

ہمایوں نامہ کے مشمولات کے حوالہ سے علامہ شبلی نے گلبدن بیگم کی مورخانہ صلاحیت اور سلیقہ تحریر وتصنیف کی داد دی ہے اور دکھایا ہے کہ وہ تاریخ نویسی کے اصول وآداب سے بخوبی واقف تھیں، چنانچہ انھوں نے جہاں سیاسی واقعات لکھے ہیں عہد ہمایوں کی تہذیبی وتمدنی تاریخ بھی لکھی ہے، چھوٹے چھوٹے جزئی واقعات بھی سپرد قلم کئے ہیں باوجود تعلق کے طرفداری سے بھی کام نہیں لیا ہے، ان کا طرز تحریر بھی مورخانہ انشاپردازی اور سادہ واقعہ

نگاری کا نمونہ ہے، چشم دید واقعات کے علاوہ جو واقعات تاریخ قلم بند کئے ہیں ان کا حوالہ بھی دیا ہے جس سے ان کی مورخانہ ژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس تعارف کا مقصد بھی تاریخ ہند کے مآخذ و مراجع کی نشاندہی اور ذوق تاریخ کو عام کرنا معلوم ہوتا ہے۔

ایک مقالہ میں عبدالباقی کی مشہور تاریخ مآثر رحیمی کا جائزہ ہے، یہ کتاب دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے شروع کے ہزار صفحات میں عہد اکبری کے علماء، فضلاء، ادباء، شعراء اور اہل علم کے حالات و واقعات ہیں آخری ہزار صفحات میں اکبر کے سپہ سالار عبدالرحیم خان خاناں کی زندگی کے تمام حالات وسوانح قلم بند کئے گئے ہیں، جس میں اس کی پیدائش، وطن، تعلیم وتربیت، اخلاق وعادات، فضل وکمال شاعری وانشاء پردازی کے علاوہ اس کے علمی ذوق، کتب خانہ سے دلچسپی، اہل علم کی قدردانی، علم پروری وادب نوازی وغیرہ اوصاف کی تفصیلات ہیں، اس مبسوط کتاب میں خان خاناں کے رفاہی وعوامی کاموں کا بھی ذکر ہے، صنعت وزراعت، تعمیرات مثلاً باغ، حمام، سرائیں تعمیر کرانے کا ذکر ہے، نیز اس کی ایجادات واختراعات مثلاً جہازوں کی تیاری اور ابری وعکسی کاغذ کے بنانے کا ذکر بھی ہے، یہ کتاب عہد اکبری کی تاریخ کا ایک معتبر ومستند ماخذ تصور کی جاتی ہے اس کے مصنف کا نام عبدالباقی ہے وہ ایران کا باشندہ اور ایک معزز خاندان کا فرد تھا، علامہ شبلی نے اپنے تبصرے میں یہ تمام تفصیلات قلم بند کی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ اس کتاب میں تمام خوبیوں کے ساتھ یہ بہت بڑا عیب ہے کہ خان خاناں کی خوبیاں ہی خوبیاں گنائی گئی ہیں نکتہ چینی کا نام نہیں۔'' مگر پھر یہ توجیہ پیش کی ہے کہ یہ اس دور کا عام مذاق تھا۔ (۲۳)

یورپ کے مورخین نے جہاں گیر پر بھی متعدد الزامات لگائے ہیں ایک مضمون میں تزک جہاں گیری کے حوالہ سے ان الزامات کی علامہ شبلی نے پردہ دری کی ہے، تزک جہاں گیری، جہاں گیر کا روز نامچہ ہے اور اسی کے قلم سے ہے، شروع میں علامہ شبلی نے اس کی خصوصیات بیان کی ہیں، علامہ شبلی کا خیال ہے کہ تزک جہاں گیری میں جہاں گیر نے اپنے تمام صحیح اور سچے واقعات لکھے ہیں، تصنع بناوٹ اور ملمع سازی سے احتراز کیا ہے خوبیاں اور خامیاں دونوں کو ڈنکے کی چوٹ پر لکھا ہے اور کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی ہے اور ہر واقعہ کو انتہائی سادگی صفائی اور بے تکلفی سے ادا کیا ہے، جہاں گیر کے حالات وواقعات بلکہ اس کے ہر قسم کے خیالات کے معلوم کرنے کا سب سے معتبر ماخذ یہی کتاب ہے۔

علامہ شبلی نے تزک جہاں گیری سے جہاں گیر کے حالات وواقعات مثلاً سلطنت کے کاموں سے دلچسپی، عدل

وانصاف، رعایا پروری وداد رسی، اوراس کی توجہ وخبر گیری، حکومت کی پالیسی، ہندوؤں سے تعلقات اور ان کے ساتھ حسن سلوک، علماء وفضلاء اوراہل علم کی بلاامتیاز مذہب وعقیدہ قدر دانی وغیرہ کی تفصیلات پیش کی ہیں، ساتھ ہی اس کی علم دوست معارف پروری، اوراس کی ذاتی دلچسپی، علم الحیوان سے شغف، مصوری سے لگاؤ، جغرافیائی تحقیق صناعی وصنعت گری، مذاق سپہ گری اور شجاعت وبہادری وغیرہ کے واقعات کو بہ ترتیب لکھا ہے اور پھر مورخین یورپ اوران کے مقلدین کو باور کرایا ہے کہ جہاں گیر کن خوبیوں کا مالک اوراسلاف کا کیسا نمونہ تھا اس پر جوالزامات عائد کئے جاتے ہیں وہ بالکل لغواور بے سروپا ہیں۔

احمد زکی آفندی کے سفرنامہ النظر فی السفر الی الموتمر کا ذکر بھی ایک مضمون میں ہے احمد زکی نے یورپ کی مشرقی کانفرنس کے نویں اجلاس ۱۸۹۲ء منعقدہ لندن میں شرکت کے لئے مختلف ملکوں کا سفر کیا اوراپنا سفر نامہ لکھا، علامہ شبلی نے تفصیل سے اس سفر نامہ کا تعارف کرایا ہے، ضمناً متعدد سفر ناموں کا بھی ذکر کیا ہے احمد زکی نے برنڈری، ٹربوی، اٹلی، تلورنس، بنسیزا، جنیوا، فرانس، لندن، اسپین کے حالات اس سفرنامے میں لکھے ہیں، علامہ شبلی نے شکوہ کیا ہے کہ اصل کانفرنس پر بھرپور روشنی نہیں ڈالی گئی، چونکہ احمد زکی نے اس سفرنامے میں ہرجگہ اسلامی معلومات کے جوہر دکھائے ہیں اس لئے یہ سفرنامہ دلچسپ ہوگیا ہے، مسافر نے یورپ کی ترقی کے اسباب تلاش کرتے ہوئے یورپ کی خصوصیات مثلاً کام میں مستعدی، مشغولیت اورانہاک، قومی خدمت کے خیال کو ان کی ترقی کا راز قرار دیا ہے۔

عورتوں کی حالت، معاشرتی زندگی، عجائب خانے، کارخانے، کتب خانے، عبادت گاہیں، مدارس، گارڈن، تعلیم وتدریس، یونیورسٹی اور کالج وغیرہ مختلف عناوین کے تحت ان ممالک سے متعلق تفصیلات قلم بند کی ہیں، علامہ شبلی اس کی وسعت معلومات کے اعتراف کے باوجود نکتہ چیں ہیں کہ اس کے طرز تحریر میں یورپ کے اثرات پائے جاتے ہیں، علامہ نے ان کی نشاندہی بھی کی ہے۔

ترکوں کی تاریخ پر بہت کم علمی کام ہوئے یہی وجہ ہے کہ م-م رفری کی کتاب تلبیق الاخبار شائع ہوئی جس میں خاک ترک وتاتار کی تاریخ ہے تو علامہ شبلی نے اس پر ایک مفصل مضمون لکھا اور تاتاریوں کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے ان کے قبول اسلام کے واقعات اوران کے عام حالات کی تفصیل بھی سپرد قلم کی ہے۔

علامہ شبلی نے جرجی زیدان کے رد میں ایک کتاب الانتقاد لکھی ہے اس کا انھوں نے اردو میں خلاصہ تیار کیا تھا یہ

خلاصہ بھی مقالات شبلی کے اسی حصہ مین ہے چونکہ اس کی تفصیل مستقل تصانیف کے ذکر میں آچکی ہے اس لئے یہاں اس سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

ڈریپر کی مشہور کتاب معرکہ مذہب وسائنس کو اردو جامہ مسٹر ظفر علی خاں نے پہنایا، علامہ شبلی نے اس کا تعارف بھی تفصیل سے الندوۃ میں کرایا چونکہ اس کتاب کا نام معرکہ مذہب وسائنس تھا لیکن تمام مباحث محض اسلام اور سائنس تک محدود رہے، لطف یہ کہ فاضل مصنف نے اسلام کو نصرانیت کی ایک شاخ قرار دیا تھا اس لئے علامہ شبلی نے اس کا مفصل جائزہ لیا اور مصنف کی غلطیوں اور کذب بیانیوں کی پردہ دری کی البتہ فاضل مترجم کی تعریف کی ہے۔

بحیرا راہب کے واقعہ کو بھی ڈریپر نے موضوع بحث بنایا تھا، علامہ شبلی نے تاریخی حوالوں سے اس پر بحث کر کے مصنف کے نقطۂ نظر کی تردید کی ہے، کتب خانہ اسکندریہ کا قدیم الزام بھی دہرایا ہے جس کی تردید شبلی کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ ہے، ڈریپر نے اگرچہ مسلمانوں کے علوم وفنون کا ذکر کیا ہے لیکن ہرجگہ اس کا تعصب بھی صاف جھلکتا ہے، علامہ شبلی نے اس کی بھی تصریح کی ہے۔

مصنف نے ان تمام علمی مسائل ومباحث کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جو مذہب سے متصادم رہے ہیں، اس سلسلہ میں ابن رشد کی کاوشوں کا بھی ذکر ہے۔

آخری مقالہ میں ہومر کی ایلیڈ کے عربی ترجمے کا ذکر ہے، ہومر کے بارے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں:

''اگر یہ سوال ہو کہ کل دنیا کا سب سے بڑا شاعر کون ہے تو مختلف قوموں کی زبان سے مختلف جواب ہوں گے عجم فردوسی کا نام لیں گے، انگریز شیکسپیئر کو پیش کریں گے، رومی ورجل کے حق میں ووٹ دیں گے، عرب امرؤالقیس کو مقابلہ میں لائیں گے غرض کسی شخص پر اتفاق عام نہ ہوسکے گا تاہم وطن پرستی سے قطع نظر کر کے اگر کسی شخص پر اتفاق عام ہوسکتا ہے تو وہ یونان کا شاعر ہومر ہے۔'' (۲۴)

پھر علامہ شبلی نے ایلیڈ کے عربی ترجمہ پر روشنی ڈالی ہے، اور مترجم پروفیسر سلیمان بستانی کی تعریف کی ہے کہ انھوں نے محنت سے ترجمہ کیا اور ایک شاندار مقدمہ بھی لکھا جس میں ہومر کا بعض عربی شعراء سے موازنہ بھی کیا ہے، اس کی فصاحت وبلاغت دکھلائی ہے اور عرب شعراء کے ہم مضمون اشعار بھی نقل کئے ہیں، علامہ شبلی نے البتہ اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ شعرائے جاہلیت جنھیں یونان کا نام تک معلوم نہیں، ان کے مضامین ہومر سے لڑ جاتے تھے،

اس سلسلہ میں انھوں نے خاص طور سے عنترہ کا نام لیا ہے۔(۲۵)

علامہ شبلی کے مضامین کئی لحاظ سے بہت اہم ہیں، اردو میں کتابوں کے تفصیلی جائزے کا عام رواج نہیں تھا، علامہ شبلی نے اس طرح کے مسلسل مضامین لکھ کر اس کی داغ بیل ڈالی اور خاص طور سے تبصرہ نگاری کو ایک نیا رجحان دیا۔

ان کے تقریظ وتبصرے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مکمل کتاب کا تعارف کراتے ہیں ایک ایک جزئی واقعات کی تفصیل قلم بند کرتے ہیں اور پھر قابل تحسین کی تحسین اور قابل نقد واقعات پر تنقید کرتے ہیں اور مکمل کتاب کا جائزہ پیش کردیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ علامہ کے ان تنقیدی مضامین سے ان کے نظریات تنقید کی وضاحت بھی ہوجاتی ہے اور صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان کا تنقیدی شعور بہت بلند تھا۔

اس حصہ میں جن کتابوں پر نقد وتبصرہ ہے ان کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے، مثلاً تاریخ وتہذیب اسلامی ،تاریخ ہند، طب، سفرنامہ، ترجمہ، ریاضی، ادب وبلاغت، لغت، تفسیر، شاعری وغیرہ ان سب موضوعات کی کتابوں پر علامہ شبلی لکھتے ہیں تو مصنف کی معلومات ایک طرف وہ خود اپنے علم ومطالعہ کا دفتر اورخزانہ پیش کردیتے ہیں اوراسی وسیع علم ومطالعہ کی بنیاد پر وہ حتمی رائے قائم کرتے ہیں اس سے ان کی جلالت علمی کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔

مقالاتِ شبلی جلد پنجم (سوانحی):

علامہ شبلی کے تاریخی مضامین دونوعیت کے ہیں ایک سوانحی، دوسرے خالص تاریخی۔مولانا سید سلیمان ندوی نے دونوں کو علاحدہ علاحدہ شائع کیا ہے، اس حصہ پنجم میں سوانحی مضامین ہیں۔

الندوہ میں علامہ شبلی نے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس کا مقصد ان کی اور تحریروں کی طرح یہی تھا کہ مسلمان یورپ اور ان کے اہل قلم کے بجائے اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف ہوں اوران کی عظمت وسربلندی سے خود اپنی سربلندی کا سامان کریں، اس سلسلہ کا پہلا مضمون حضرت اسماء وہند کے نام سے ہے اس میں تاریخ اسلام کی دوعظیم ماؤں حضرت اسماء والدہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور ہند والدہ حضرت امیر معاویہؓ کی شجاعت وبہادری، استقلال وثبات اور دلیری وآزادی سے متعلق واقعات نقل کرکے ان کی نہایت مؤثر اور لائق تقلید سیرت بیان کی گئی ہے۔

دوسرے مضمون میں فرقہ معتزلہ کی اجمالی تاریخ قلم کی گئی ہے جس میں اعتزال کی ابتداء وارتقاء، عروج، معتزلہ

کے عقائد وخیالات اور علمائے معتزلہ کی خدمات اوران کے کارہائے نمایاں کا ذکر ہے، اس مقالہ میں علامہ شبلی کے تاریخی اصول صاف ظاہر ہیں اوران کے نظریہ تاریخ کے اہم عناصر صحت واقعہ، روایت ودرایت، قیاس واجتہاد، علوم وفنون سے واقفیت اور صاحب تذکرہ کے دونوں پہلوؤں کی تصویر واضح نظر آتا ہے، یہ مقالہ اگرچہ مکمل نہ ہوسکا تاہم اردو میں اپنے موضوع پر ایک منفرد تحریر ہے۔

اس مقالہ اور بعض دوسری تصانیف میں شبلی نے معتزلہ کے افکار پر جس طرح بحث کی ہے اور جس قدر معتزلہ کی تعریف کی ہے اس کی بنیاد پر بعض اہل قلم نے شبلی کو بھی معتزلی قرار دے دیا ہے، حالانکہ یہ واقعہ نہیں بلکہ یہ شبلی کو مجروح کرنے کی ایک کوشش تھی، علامہ شبلی غالی حنفی تھے اوران کا عقیدہ وہی تھا جو اہل سنت والجماعت کا ہے، تاہم وہ نہ صرف معتزلہ کے افکار وخیالات سے بخوبی واقف تھے بلکہ اشاعرہ اور ماتریدیہ اور بعض دوسرے فرق اسلامی کے عقائد وخیالات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔

اس حصہ کا تیسرا مقالہ ابن رشد پر ہے، علامہ شبلی ابن رشد کے بڑے مداح تھے اوراسے عظمت رفتہ کا نمونہ تصور کرتے تھے اس مقالہ میں اس نامور فلسفی کے ولادت سے وفات تک کے حالات بہ ترتیب لکھے ہیں جس میں ابن رشد کی تعلیم وتربیت، اخلاق وعادات، فضل وکمال، تصنیفات، فلسفہ سے دلچسپی اور فلسفہ میں مرتبہ، اس کے افکار کی یورپ میں اشاعت ومخالفت وغیرہ کی تمام تفصیلات اجمالی طور پر قلم بند کی ہیں یہ مقالہ گو مکمل نہ ہوسکا تاہم پھر بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس مقالہ سے پہلی بار مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ہمارے اسلاف فلسفہ میں کس رتبے کے حامل تھے اوران کے کارنامے کس قدر عظیم الشان ہیں۔

علامہ شبلی کو جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے ناموران اسلام سے خاص دلچسپی تھی اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو مغرب کی علمی ترقیوں کے رعب واثر سے دور رکھنا چاہتے تھے انھوں نے علامہ ابن تیمیہ کے حالات اور کارنامے اسی خواہش کے تحت اس مضمون میں لکھے، انھیں علامہ شبلی صحیح معنوں میں مجدد قرار دیتے تھے۔(۲۶)

اس مضمون میں علامہ ابن تیمیہ کے نام ونسب، ولادت ووطن، تعلیم وتربیت، فضل وکمال، علوئے مرتبہ اوران کے عظیم الشان کارناموں کے ساتھ ان کی پرآشوب زندگی کے واقعات کو اپنے خاص اسلوب تحقیق وتحریر کے ساتھ اس طرح پیش کیا ہے کہ ان کی تجدیدی خدمات کا نہایت عمدہ مرقع سامنے آگیا ہے، اس مقالہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ ابن تیمیہ پر اردو میں پہلا مقالہ تھا جس کے ذریعہ اردو داں طبقہ علامہ ابن تیمیہ کی عظمت وبلند پایگی سے

واقف ہوا۔

ایک مقالہ میں چوتھی صدی کے مشہور عربی شاعر متنبّی کے مختصر حالات وسوانح اور اس کے شاعرانہ کمالات کا ذکر ہے، اس کی شاعری کے محاسن، ہم عصر شعراء میں اس کے مقام ومرتبہ کے ذکر کے ساتھ اس کی شاعری کے عیوب کا بھی ذکر ہے، اس کے موضوعات شاعری اور قدماء سے بعض مقامات پر موازنہ بھی علامہ شبلی نے کیا ہے اور دکھایا ہے کہ متنبّی کا بچپن چونکہ صحرائے عرب میں گزرا تھا اس لئے بہت سے شریفانہ اخلاق اس کی شاعری میں نظر آتے ہیں۔

متنبّی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا پھر اس نے توبہ کی اور شاعری کو ذریعہ معاش بنایا، اس کے اشعار اور قصیدے بڑے مقبول ہوتے، علامہ شبلی نے اس کی تمام تفصیلات قلم بند کی ہیں آخر میں اس کے عبرت ناک انجام کا ذکر ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں موبدان مجوس کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے، اس لئے مغربی اہل قلم نے اس کا سبب مسلمان حکمرانوں کا تعصب بتایا، اس کے جواب میں علامہ شبلی نے مقالہ ''موبدان مجوس'' لکھ کر ان کے اس الزام کی تردید کی، یہ مقالہ بھی اس حصہ میں شامل ہے۔ اس مقالہ میں پارسیوں کے ان مذہبی پیشواؤں کا مختصر حال لکھا ہے جو اسلامی دور حکومت میں عرصہ تک ہندوستان میں سکونت پذیر تھے اور جن کی خدمات کو مسلمان اہل علم نے بھی سراہا، ان موبدان مجوس کو ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد میں مکمل طور پر مذہبی آزادی حاصل تھی، ملک کی دیگر قوموں اور باشندوں کی طرح ان کو کسی قسم کی نہ تکلیف پہنچائی گئی اور نہ تعصب سے کام لے نے کا کوئی واقعہ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

انڈین میگزین اینڈ ریویو میں عالمگیر کی بیٹی شہزادی زیب النساء کی نہایت بھونڈی اور بدنما تصویر پیش کی گئی اور اس کی شخصیت پر رکیک اور ناروا الزامات عائد کئے گئے تو علامہ شبلی نے ایک مضمون میں تاریخی شہادتوں سے ان الزامات کا جائزہ لے کر ثابت کیا کہ یہ الزامات فضول ہیں، یہ مضمون بھی اس تاریخی حصہ میں شامل ہے۔

علامہ شبلی نے اس مضمون میں نہ صرف الزامات کے جوابات لکھے بلکہ شہزادی کی اصل شخصیت سے لوگوں کو واقف کرایا، اس میں اس کی تعلیم وتربیت اخلاق وعادات، فضل وکمال شاعری اور اس کی علم پروری وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

زیب النساء نے شادی نہیں کی تھی، یہی ایک بات ہے جس نے مغربی اہل قلم کو رکیک حملوں کا موقع فراہم

کردیا اورانھوں نے یہ باور کرایا کہ مغل بادشاہ اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے تھے، حالانکہ خود عالمگیر نے اپنی دوسری لڑکیوں کی شادیاں کی تھیں۔

زیب النساء پر ایک الزام یہ لگایا گیا تھا کہ عاقل خاں سے اس کا تعلق عشق ومحبت کا تھا اور وہ اس سے ملنے چوری چھپے محل میں آیا کرتا تھا، ایک مرتبہ عالم گیر کو محل میں اس کی موجودگی کا علم ہوگیا، چنانچہ وہ محل میں آیا تو عاقل خاں ڈر سے حمام کی دیگ میں چھپ گیا، عالم گیر نے انجان بن کر اسی دیگ میں پانی گرم کرنے کا حکم دیا جس میں وہ چھپا تھا، اخفائے راز کے ڈر سے عاقل خاں نے جان دے دی لیکن اف نہ کیا۔

علامہ شبلی نے اس فرضی واقعہ کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ان تمام تذکروں میں جہاں عاقل خاں کے حالات ہیں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں ہے، علامہ شبلی نے یہ مقالہ مستند ماخذوں مثلاً مآثر الامراء، مآثر عالمگیری، عالمگیر نامہ، سروآزاد، خزانہ عامرہ، ید بیضاء، مخزن الغرائب، وغیرہ کی روشنی میں لکھا ہے اور نہایت تحقیق وتدقیق سے اس صریح بہتان کی تردید کی ہے۔

زیب النساء پر اردو میں یہ پہلی تحریر تھی جس سے انگریز مورخین کی غلط بیانی کا پردہ چاک ہوا اور زیب النساء کے اعلیٰ علمی وادبی ذوق وصلاحیت اور اچھے کردار سے نئی نسل کو واقفیت ہوئی۔

ایک مختصر مضمون میں نامور مورخ غلام علی آزاد بلگرامی کے حالات وسوانح قلم بند کئے گئے ہیں اور مختصراً ولادت سے وفات تک کے حالات، فضل وکمال اور ان کی تصانیف کا تعارف کرایا گیا ہے، آزاد بلگرامی کثیرالتصانیف مصنف ومورخ گذرے ہین اگرچہ متعدد موضوعات پر ان کی کتابیں ہیں تاہم ان کا اصل میدان تاریخ تھا، فن تاریخ میں ان کی تصانیف کو خاص مقام حاصل ہے، سروآزاد، ید بیضاء، مآثر الکرام، خزانہ عامرہ، روضۃ الاولیاء، سبحۃ المرجان وغیرہ آج تاریخ ہند پر داد تحقیق دینے والوں کے لئے ناگزیر مراجع کی حیثیت سے معروف ہیں، علامہ شبلی نے آزاد کی تصویر اس عمدگی سے کھینچی ہے کہ ان کی پوری زندگی اور کارنامے آنکھوں میں پھر جاتے ہیں۔

اس مجموعہ کا آخری مضمون مصر کے نامور محقق ومصنف فرید وجدی بک پر ہے، وجدی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فلسفہ جدیدہ سے اسلام کی تطبیق کی کوشش کی چونکہ یہ خاص علامہ شبلی کے ذوق کی چیز تھی، اس لئے وہ بھی علامہ کے ممدوح ٹھہرے، یہ مضمون گو مختصر ہے لیکن وجدی کے کارناموں کا مرقع ہے۔

علامہ شبلی نے جب یہ مضمون لکھا تھا وجدی اس وقت نوجوان تھے، اوران سے بڑی توقعات تھیں، علامہ شبلی نے

ان کی تعریف وتحسین کے ساتھ ان کی بعض کمیوں کی نشاندہی بھی کی ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ فرید وجدی کے کمالات کے اعتراف کے باوجود ہم کو کسی قدر افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ان کی مذہبی معلومات سطحی اور سرسری ہین اس لئے حدیث یا قرآن مجید کے متعلق کچھ لکھتے ہیں تو ان کی کم مائیگی کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔(۲۷)

علامہ کے سوانحی مضامین کا یہ مجموعہ ان کے مورخانہ شعور سے زیادہ ان کی دینی وملی حمیت کا آئینہ دار ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں پر کسی قسم کے ناروا اعتراضات برداشت نہیں کرسکتے تھے جن کے مقاصد کے پیش نظر یہ مقالات لکھے گئے ان سے اب بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

مقالاتِ شبلی جلد ششم (تاریخی):

مقالات شبلی کا یہ حصہ چند اہم تاریخی مقالات کا مجموعہ ہے اس میں جہاں علامہ شبلی نے چند تاریخی غلط فہمیوں کی تردید کی ہے وہیں عظمت رفتہ کے نقوش ابھارنے کے لئے بعض موضوعات پر روشنی بھی ڈالی ہے۔

اس حصہ کا پہلا مقالہ تراجم ہے جو ۱۸۸۷ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی تحریک پر علامہ شبلی نے سپرد قلم کیا تھا، اس میں انھوں نے مسلمانوں کی علم دوستی اور معارف پروری کی طویل داستان بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کی کون کون سی زبانیں سیکھیں اور دوسری قوموں کے کون کون سے علوم وفنون کی کتابوں کے اپنی زبان میں ترجمے کئے اور اس میں کس قدر شغف وانہماک اور دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

اس مقالہ میں مورخین یورپ کے اس الزام کی تردید بھی کی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں غیر قوموں کے علوم وفنون، تہذیب وتمدن اور ان کے آثار کو برباد کردیا تھا بلکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے دوسروں کے علمی خزانوں سے پوری طرح واقفیت حاصل کی، اس لئے دارالترجمے قائم کئے، فارسی، سریانی، یونانی، سنسکرت اور لاطینی زبان کے ماہر مترجم کا انتظام کیا اور مختلف علوم وفنون مثلاً فلسفہ یونان، ہیئت، جبرومقابلہ، حساب، علم الآلات، جغرافیہ، طب، جامٹری وغیرہ کی اکثر اہم کتابوں کا ترجمہ کرایا، ان مترجمین اور ان کی مترجمہ کتابوں کی ایک طویل فہرست بھی علامہ شبلی نے اس مقالہ میں درج کی ہے اور ان کے علوم وفنون سے مسلمانوں کی گہری دلچسپی کے واقعات لکھ کر ثابت کیا ہے کہ:

عہد وسطیٰ میں مسلمانوں نے دنیا کی تمام قوموں کا علمی سرمایہ اپنی زبان میں منتقل کرلیا تھا اور اگر مسلمانوں کا دنیا میں قدم نہ آتا تو یونان، مصر، ہندوفارس کے تمام علمی ذخیرے آج برباد ہوچکے ہوتے۔(۲۸)

اسلام اور مسلمانوں پر مورخین یورپ کے من گھڑت اور بے سروپا الزامات میں یہ الزام سب سے زیادہ بلند بانگ ہوا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب مسلمانوں نے مصر واسکندریہ فتح کیا تو انھوں نے وہاں کے قدیم اور مشہور یونانی کتب خانہ کو جو بطلیموسیوں کی یادگار اور صدیوں کا علمی خزانہ تھا جلا کر خاک کر دیا اور دنیا کو ایک عظیم علمی میراث سے محروم کر دیا، اس کی آڑ میں دراصل یہ ثابت کرنا تھا کہ اسلام اور مسلمان علم کے دشمن ہیں۔

اس الزام کے جواب میں علامہ شبلی نے مورخانہ قلم اٹھا کر بدلائل ثابت کیا کہ مسلمانوں پر یہ الزام سراسر غلط ہے کیوں کہ مسلمانوں کی فتح سے پہلے ہی اس کتب خانہ کو خود عیسائیوں نے تباہ و برباد کر دیا تھا اور اس فعل قبیح میں عیسائیوں کے بڑے بڑے مذہبی پیشوا بھی شریک تھے، مسلمانوں نے جب مصر واسکندریہ فتح کیا تو اس کا وہاں نام ونشان تک باقی نہ تھا۔

علامہ شبلی کا یہ مقالہ اس قدر جامع، مدلل اور محققانہ تھا کہ ساری علمی دنیا مین ہلچل مچ گئی، اس بیش قیمت تحریر نے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا اور مورخین یورپ کو تسلیم کرنا پڑا کہ مسلمانوں پر یہ الزام واقعتاً سراسر غلط تھا

؎ الزام ہم ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

علامہ شبلی نے اس غلط اور بے سروپا الزام کی تردید میں تاریخ اور نظریہ تاریخ سے نہایت دیانتداری سے کام لیا ہے اور اصل واقعہ کی چھان بین میں حق تحقیق ادا کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ مقالہ بہت مقبول ہوا، انگریزی میں اس کا خلاصہ شائع ہوا، بعد میں جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم نے کتاب کا ترجمہ کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ آج بھی اپنے موضوع پر یہ مقالہ حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک مقالہ میں علامہ شبلی نے کتب خانوں کی اجمالی تاریخ لکھی ہے اور عہد اسلامی کے اکثر کتب خانوں کا تعارف، ان کا انتظام اور ان کا طریقہ کار لکھا ہے اور ان کتب خانوں کی اہم کتابوں کا ذکر کر کے یہ دکھایا ہے کہ مسلمانوں کے دور حکومت میں جس کثرت سے کتب خانے قائم تھے اس کی نظیر کہیں اور ملنی مشکل ہے، علامہ شبلی نے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کی یادگاروں کو محفوظ رکھنے اور ان کے حالات وواقعات لکھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا جو ان کی رواداری اور وسیع النظری کا ثبوت ہیں۔

یہ تاریخی مقالہ ۱۸۹۲ء میں حیدرآباد کے مشہور رسالے حسن میں شائع ہوا اور رسالہ کے دستور کے مطابق علامہ شبلی کو ایک اشرفی انعام میں ملی۔

ایک مقالہ میں عہد اسلامی کے شفاخانوں کی اجمالی تاریخ قلم بند کی ہے، علامہ شبلی جب اینگلواورینٹل کالج میگزین کے اڈیٹر بنائے گئے توانھوں نے یہ اعلان کیا کہ اسلامی تہذیب وتمدن کے متعلق مختلف عنوانات پر تحقیقی وتاریخی مضامین لکھے جائیں تاکہ مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کی ایک جھلک مرتب شکل میں سامنے آجائے، یہ مضمون اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے(۲۹) اس میں پبلک ورکس کے ایک خاص پہلو شفاخانوں کا ذکر ہے، تاریخ کے صفحات میں بکھرے ہوئے اس مواد کو اکٹھا کر کے عہد اسلامی کے شفاخانوں کا مرقع تیار کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ عہد اسلامی عوامی اور رفاہی کاموں اور انسانی ہمدردی کے کاموں میں کسی سے کبھی پیچھے نہیں رہا، بعض شفاخانوں کے انتظام وانصرام سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ موجودہ دور کے شفاخانوں سے کسی طرح کم نہ تھے اور حکومت ان کی پوری دیکھ بھال کرتی تھی۔

ایک مقالہ میں علامہ شبلی نے ان تہذیبی وتمدنی ترقیوں کا ذکر کیا ہے جو مغل حکمرانوں کی کوششوں کی وجہ سے ہندوستان میں ہوئیں، مقالے کا آغاز عہد مغلیہ سے قبل ہندوستان کے تہذیبی وتمدنی اور معاشرتی وسیاسی صورت سے کیا گیا ہے اس کے بعد بابر سے عالمگیر تک ہندوستانی تہذیب وتمدن میں جو تبدیلی اور ترقی رونما ہوئی ان کی نشاندہی کی گئی اور ضروریات زندگی مثلاً زمین کی پیمائش، پیداوار، آراضی کا بندوبست، صنعت ومصنوعات، ترقی حیوانات اوران کی افزائش، عمارات اور شاہراہیں، رہن سہن، لباس اور دیگر ایجادات واختراعات کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں، جن سے ثابت ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کے ذریعہ ہندوستان میں بڑے انقلابات رونما ہوئے۔

ایک مضمون میں مسلمانوں کی علمی بے تعصبی کا ذکر ہے جو کلکتہ کے اخبار بھارت متر کے اڈیٹر کے ایک ناروا مضمون کے جواب میں علامہ شبلی نے لکھا تھا، بھارت متر کے اڈیٹر نے ملامسیح کی رامائن پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں پر الزام لگایا کہ یہ رامائن گمنامی کے پردے میں اس لئے پڑی رہی کہ مسلمانوں نے اسے پسند نہیں کیا ضمناً یہ بھی لکھا کہ مسلمان ہندوؤں کے لٹریچر سے ہمیشہ بے خبر رہے جن لوگوں نے کچھ توجہ دی وہ تفریحاً تھی، عہد اکبری میں جو کچھ ہوا وہ بہت محدود تھا اور دارشکوہ کو ہندوؤں کے ادب سے دلچسپی لینے کی وجہ سے جان سے ہاتھ دھونا پڑا وغیرہ۔

علامہ شبلی نے ان الزامات کی تردید کی اور تاریخ کی معتبر کتابوں سے مسلمانوں کی علمی بے تعصبی، علم پروری، ادب نوازی، رواداری، فراخدلی اور ہندوؤں کے زبان وادب سے دلچسپی کے سیکڑوں واقعات ثبوت میں پیش کر کے

ثابت کیا کہ علمی بے تعصبی میں دنیا کی کوئی قوم مسلمانوں کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

انھوں نے یہ بھی لکھا کہ ملا مسیح اور ان کی رامائن کا ذکر تمام تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، اس کی عدم مقبولیت کا سبب مسلمانوں کا تعصب نہیں بلکہ ملا مسیح کی کم درجہ کی شاعرانہ صلاحیت تھی، علامہ شبلی نے اس سلسلہ میں یہ مثال بھی دی ہے کہ فردوسی نے شاہنامہ میں گبروں کے قصے لکھے اور صولت ترکستانی نے صولت فاروقی میں حضرت عمرؓ کی فتوحات نظم کیں مگر آج صولت ترکستانی کا کوئی نام بھی نہیں جانتا اور فردوسی کا شاہنامہ بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔

اس مجموعہ کا آخری مضمون ''میکنکس اور مسلمان'' ہے اس میں علامہ شبلی نے مسلمانوں کی مکینکل ترقی کا ذکر کیا ہے اور دکھایا ہے کہ ماضی میں مسلمان علمی وعملی ترقی اور ایجادات واختراعات میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، اس مضمون کا مقصد بھی غالباً مسلمانوں کے اندر عزم وحوصلہ پیدا کرنا تھا کہ ان کے اسلاف سائنسی علوم میں ایسے بلند مقام پر فائز تھے کہ یورپ نے بھی ان سے خوشہ چینی کی۔

علامہ شبلی کے یہ تاریخی مقالات اس لائق ہیں کہ انھیں آج بھی فخر کے ساتھ مورخین یورپ کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے، بلاشبہ یہ مقالات علامہ شبلی کے بلند مؤرخانہ بصیرت کے نمونے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱- مقالات شبلی ج۱ص۳۷۔مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی۔دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء
۲- ایضاً،ص ۶۵۔
۳- ایضاً،ص۴۷۔
۴- فکر ونظر علی گڑھ (شبلی نمبر) ص۱۱۳، جون ۱۹۹۶ء۔مدیر:شہریار
۵- مقالات شبلی ج۱،ص۸۰۔
۶- ایضاً،ص۱۸۶۔
۷- ایضاً
۸- ایضاً،ص۱۸۵-۲۲۰۔
۹- ایضاً،ص۲۲۱-۲۳۱۔
۱۰- سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔مولانا شبلی نعمانی پر ایک نظر،ص۲۔دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۵ء
۱۱- مقالات شبلی ج۲،ص۵۔مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی۔دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۸ء
۱۲- ایضاً،ص ۲۹-۳۰۔
۱۳- ایضاً،ص۹۱۔
۱۴- مقالات شبلی ج۳،ص۱۶۳۔مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی۔دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۵ء
۱۵- ایضاً،ص۹۳۔
۱۶- ایضاً،ص۱۰۱۔
۱۷- ایضاً۔
۱۸- ایضاً،ص۱۲۱-۱۲۵۔
۱۹- ایضاً،ص۱۲۷۔
۲۰- ایضاً،ص۱۷۷۔
۲۱- مقالات شبلی ج۴ص۴۔مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی۔دارالمصنفین اعظم گڑھ طبع سوم۔۱۹۵۶ء
۲۲- ایضاً ج۴ص۱۳
۲۳- ایضاً ج۴ص۸۱
۲۴- ایضاً ص۱۸۹

۲۵۔ ایضاً ص ۱۹۰

۲۶۔ مقالاتِ شبلی ج ۵ ص ۶۲ ۔ مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی ۔ دارالمصنّفین اعظم گڑھ ۔ ۱۹۵۵ء

۲۷۔ ایضاً ص ۱۳۰-۱۳۱

۲۸۔ مقالاتِ شبلی ج ۶ ص ۱ ۔ مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی ۔ دارالمصنّفین اعظم گڑھ ۔ ۱۹۵۱ء

۲۹۔ ایضاً ج ۴ ص ۱۷۷

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆